مقالہ نگار: شاکر علی صدیقی — Shakir Ali Siddiqui

نگراں: پروفیسر وہاج الدین علوی — Supervisor: Prof. Wahajuddin Alvi

شعبۂ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی — Department of Urdu, JMI

موضوع: اردو میں شاعری کی عملی تنقید (نمائندہ ناقدین کے حوالے سے)

Topic: Urdu Main Shairi Ki Amali Tanqeed (Numainda Naqideen Ke Hawaley Se)

تلخیص (Abstract)

تفاعلِ نقد، شعر وادب کی قرات کا ایک فن ہے۔ یہ نظامِ فن متن کی مخصوص شعریات کے تابع ہے۔ شعریات ہمیشہ مثالی فن پاروں سے ہی تشکیل کی جائے گی۔ یعنی عمل قرات میں تنقیدی کارفرمائی اپنے صنفی خواص اور امتیازات کے تناظر میں ہی ہوگی، کیوں کہ متن کی تفہیم اور تعین قدر کا بنیادی وسیلہ ناقد کی قوت اختراع نہیں، بلکہ شعری نظام ہے۔ اس مقدمہ سے ثابت ہوا کہ شعر وادب کی توضیح / تفہیم / تفسیر / تعبیر اور اس کی تقدیر کے لیے ناقد کو ہمیشہ زیر بحث فن پارے کی مخصوص شعریات کی ضرورت درکار رہے گی۔ اس کے بغیر کسی بھی شعر وادب کی عملی تنقید نہیں کی جاسکتی۔ اگر نظری تنقید کے بغیر کسی فن پارے کے متعلق کوئی رائے یا بیان دیا جائے تو وہ بیان ذاتی / تاثراتی ہوگا۔ کیوں کہ اختصاص متن کا پیمانہ ناقد کا شعور نہیں، بلکہ فن پارے کی شعریات ہے۔ مثلاً ارسطو نے ہومر کی رزمیہ نظموں میں دیکھا، کہ اس کے اجزائے ترکیبی تمہید، اصل بیان اور نتیجہ سے مربوط ہیں، تو اس نے رزمیہ شاعری کو انہیں تین اصولوں سے مشروط کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک طویل زمانے تک رزمیہ شاعری انہیں اصولوں کی پابند رہی۔ یا پھر اسی طرح شبلی نعمانی نے میر انیس کے مراثی کو سامنے رکھ کر مرثیے کی جو شعریات تشکیل دی تھی، اس کو آج بھی ہمارے ناقدین اپنانے پر مصر ہیں۔ یہی نہیں، بلکہ ہمارے متقدمین نے اصناف شعر کی جو شعریات بنائی تھی، ہم آج بھی اس پر عمل پیرا ہیں۔

اصول سازی کرنے کے تین بنیادی جواز ہیں۔ اول استخراجی اصول: اس طرح کے اصول مثالی فن پاروں سے اخذ کیے جاتے ہیں۔ دوم استقرائی اصول: وہ اصول جو مسلمہ حوالوں کی بنیاد پر ناقدین کے مابین قرار پا جائیں۔ اختصاصی / امتیازی / انفرادی اصول: ایسے اصول جو عصری تقاضوں کے پیش نظر اپنے مقاصد کی حصول یابی کے لیے وضع کیے جائیں۔ یہی وجہ ہے کی تمام ناقدین کو مسلمہ اصولوں کی پیروی کرنی پڑتی ہے۔ یہی وہ بنیادی مباحث ہیں جن کے تفحص میں پانچ ابواب قائم کیے گئے ہیں، اول: تنقید کے بنیادی مباحث، دوم: اردو کی عملی تنقید پر مغربی اثرات، سوم: اردو میں عملی تنقید کی روایت، چہارم: بیسویں صدی میں شاعری کی عملی تنقید: ایک عمومی جائزہ اور پنجم بیسویں صدی کے نمائندہ ناقدین۔

بیسویں صدی میں شاعری کی عملی تنقید نے اپنے مروجہ خطوط سے اتفاق وانحراف کے مراحل طے کرتے ہوئے اپنے ارتقائی سفر کو جاری رکھا، یہاں تک کہ بحیثیت صنف اس نے اپنی شناخت قائم کرلی ہے۔ اس صدی میں صنفی اعتبار سے نظری اور عملی جہتوں پر خاصا کام ہوا۔ ہمارے ناقدین نے تنقید کی خصوصیات، امتیازات اور اس کے دائرۂ کار کے ممکنہ مسائل ومباحث کا بہت حد تک احاطہ کیا ہے۔ شعر وادب کے نظریاتی مباحث میں مغرب سے کسب فیضی کی جو روایت حالی نے قائم کی تھی اس کو بیسویں صدی کے ناقدین نے مسلسل آگے بڑھایا۔ نیز اپنی ادبی روایت اور عصری تقاضوں کو مغربی تصورات ونظریات کے نت نئے پہلوؤں سے ہم آہنگ کر کے اردو تنقید کو عالمی معیار عطا کیا۔ لیکن اس عمل سے پہلی مشکل یہ در پیش آئی کہ بعض ناقدین نے مغرب زدگی اور اس کی بالا دستی سے اپنے ادب کو خاصا نقصان بھی پہنچایا، وہ ان معنوں میں کہ مشرقی شعر وادب کے تخلیقی مزاج، لسانی امتیازات، فنی خصوصیات اور معاشرتی مذاق، یا باالفاظ دیگر مشرقی نظام شعر / شعریات سے عدم واقفیت یا پھر شعوری بے اعتنائی کے سبب شعر وادب کی قدر ومنزلت میں بخل سے کام لیا۔ یہی نہیں، بلکہ اس

کے امتیازات کو مغربی شعریات کے سانچے میں ڈھال کر جانچنے اور پرکھنے کا جو عمل انجام دیا، اس میں کامیابی نہ ملنے کے باعث ہمارے شعر و ادب کو غیر مستحسن قرار دیا گیا۔ حالاں کہ ہر ادب اپنی مخصوص شعریات کا پابند ہوتا ہے۔ دوسری دشواری یہ آپڑی کہ مغرب کے زیر اثر تجزیاتی مطالعے کے مختلف النوع اسالیب نقد کے تجربات نے اردو کے بیشتر ناقدین کو تعصبات اور گروہ بندی کا حامل بنا دیا اور شعر و ادب کا یک سمتی / یک رخا مطالعہ عام ہوا۔ اس طرز سے یہ نقصان ہوا کہ مکتبۂ فکر کے تنگ دامنی کے باعث شعر و ادب کی حقیقی شناخت اور اس کی عظمت کا تعین معتوبیت کا شکار ہوا۔

تیسرا جو سب سے بڑا مسئلہ پیدا ہوا وہ نظریاتی ادعایت کا تھا۔ یعنی بیسویں صدی کے ربع آخر اور اکیسویں صدی کے اوائلی ادبی منظر نامے پر مغرب کے غیر ادبی نظریاتی تفرقات کا اس قدر غلبہ ہوا کہ ہمارے ناقدین کے مابین ادبی نظریہ سازی کے بجائے شخصی نظریہ بازی کا رجحان پیدا ہو گیا۔ جس کے کئی مضر پہلو سامنے آئے، مثلاً ادبی منظر نامے پر نظری تنقید کی ابہامیت اور عدم افہامیت کے باعث عام قاری کی الجھنوں میں کمی کے بجائے مزید اضافہ ہوا۔ دوسرے یہ کہ نظریاتی سطح پر کوئی مستحکم ادبی صورت حال نمو پذیر نہیں ہوئی۔ اس لیے آج یہ مشکل در پیش ہے کہ اردو تنقید میں نظریات کا غلبہ ہے، لیکن ان میں سے بیشتر نظریات ہمارے ادب کے لیے کار آمد نہیں، کیوں کہ ان کے رشتے ادبی نظریہ سازی کے بجائے شخصی نظریہ بازی سے متعلق ہیں۔ اور یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ اگر شعر و ادب کی جانچ پرکھ غیر ادبی پیمانوں سے کی جائے گی تو اس کے نتائج منفی اور گمراہ کن ثابت ہوں گے۔

بہر حال مذکورہ تمام وجوہ کے باوجود شاعری کی تنقید کے لحاظ سے بیسویں صدی کو عہد زریں کہا جا سکتا ہے، کیوں کہ مغربی استفادے کی جس روایت کو آزاد، حالی، امداد امام اثر اور شبلی نے قائم کیا تھا، اس کی توسیع میں اردو ناقدین نے مغرب سے مختلف النوع تصورات، نظریات، رجحانات اور تحریکات کو مستعار لے کر نت نئے تجربات اور طریق کار کے توسط سے شعر و ادب کی تفہیم و تعبیر کے نئے نئے مراحل طے کیے۔ جس کے باعث اردو تنقید میں شعر فہمی کے نئے باب دریافت کیے گئے۔ بیسویں صدی کے ربع اول بلکہ ترقی پسند تصور نقد سے ماقبل اردو ناقدین کی شاعری کی عملی تنقید حالی اور شبلی کے امتزاجی رویے کی مرہون منت رہی۔ اور آج بھی تنقید کے بین المتون میں حالی اور شبلی کے نظریہ و عمل کی بازگشت بالکل صاف سنائی دیتی ہے۔

بحیثیت مجموعی بیسویں صدی میں شاعری کی عملی تنقید کے تین بڑے دھارے سامنے آئے۔ پہلے دھارے میں مشرقی تنقید کے طریق کار کی وہ روایت جو تذکروں سے شروع ہو کر سید عابد علی عابد سے گزرتی ہوئی عنوان چشتی تک آتی ہے۔ اس میں ہمیں بہ اعتبار فکر و فن ارتقا نظر آتا ہے لیکن اس کا تجسیم / ہیولیٰ اپنے ہی خطوط پر من و عن برقرار رہا۔ یعنی تفہیم قرات کے ممکنہ یا منسلکہ مراحل مبنی بر متن ہونے کے باوجود اسلوب شعر تک محدود رہے۔ ہاں اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اظہار بیان اور طریق نقد میں بڑی تبدیلیاں رونما ہوئیں، جس کا بنیادی سبب کچھ تو مغربی تصرفات کا رہین منت رہا اور کچھ دخل اپنے ذاتی میلانات کا۔ یہ دوسری بات بھی اہم ہے کہ اس دھارے میں شعر و ادب کی قدر و منزلت کا تفاعلی مسئلہ ہمیشہ فن کے تابع رہا۔ اور اسی سے شعر و ادب کی شناخت بھی کی جاتی رہی ہے۔ شعر و ادب کے دوسرے دھارے کا جہاں تک تعلق ہے وہ ترقی پسند نقادوں کے ذریعے وجود پذیر ہوا۔ ترقی پسند تصور شعر اور تصور نقد کے اندرون میں اگر باریک بینی سے جھانک کر دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس کا نظریۂ تخلیق اور نظام نقد اپنے روایتی محرکات و مخطوطات کے برعکس تشکیل کیا گیا۔ جس میں ادبی اور فنی تقاضوں سے عدم توجہی برتی گئی اور موضوع کو ہی سب کچھ سمجھا گیا۔ یہی نہیں، بلکہ قرات متن کی مرکزیت اپنے منشوراتی دائرے کے پابند کی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی دہائیوں میں اس کے رد عمل کے طور پر تیسرا دھارا جدیدیت کی شکل میں نمو پذیر ہوا۔ اس میں عملِ تخلیق اور عملِ قرات کی ایک ایسی شعریات تیار کی گئی کہ سبھی افکار و اعمال کی گنجائش رکھی گئی۔ اور مصنف اور ناقد دونوں کو آزادی کا تمغا دیا گیا۔ جس کا مثبت پہلو یہ سامنے آیا کہ ادبی منظر نامے پر (چاہے وہ تخلیقی ہو یا تنقیدی) تنوع پیدا ہوا۔ تنقیدی سطح سے اگر دیکھا جائے تو شعر و ادب کی قرات میں بعض ایسی جہتیں دریافت کی گئیں کہ دیگر ترقی یافتہ زبانوں کی ادبی تنقید سے اردو تنقید بطور خاص شاعری کی تنقید آنکھ ملانے کے قابل ہوئی۔

☆☆☆